ڈاکٹر طاہر تونسوی

سرائیکی ادب میں اسلامی تہذیب کے عناصر

(۱)

عرب اور ہندوستان کے تعلقات ازمنۂ قدیم سے ہیں۔ قبل از اسلام بھی عربوں اور ہندوستانیوں کے تجارتی تعلقات تھے اور بحری راستے سے آنا جانا تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" میں بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "ہندوستان اور عرب دنیا کے وہ ملک ہیں جو ایک حیثیت سے ہمسایہ اور پڑوسی کہے جا سکتے ہیں، ان دونوں کے بیچ صرف سمندر حائل ہے ..... عرب تاجر ہزاروں برس پہلے سے ہندوستان کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں کے بیوپار اور پیداوار کو مصر اور شام کے ذریعے یورپ تک پہنچاتے تھے اور وہاں کے سامان کو ہندوستان، جزائر ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے"[1]

اسلام کی روشنی پھیلتے ہی اس سے جہاں دوسرے خطّے روشن ہوئے وہاں ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے قدم پہنچے اور پہلی صدی ہجری میں دیبل سے ملتان تک اسلامی فتوحات سے پہلے بھی ہندوستان میں مسلمان آباد ہو چکے تھے۔ شیخ محمد اکرامؒ آبِ کوثر میں رقم طراز ہیں۔ رسول اکرمؐ کی ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ "مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے۔" یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اکرمؐ کے سامعین یا حدیث کے راوی ہندوستان سے بے خبر نہ ہوں گے۔ اقبالؔ نے اپنی نظم میں اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے:

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات از مولانا سید سلیمان ندوی، ص ۶۔

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسمان سے　　پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا کی جس مکاں سے　　میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے[۲]

بہرحال یہ جوشِ محبت کے کرشمے اور قصہ کہانیوں پر مبنی ہیں لیکن عرب اور پاکستان و ہندوستان کے درمیان قدیم الایّام سے ایسے تجارتی روابط قائم ہو گئے تھے جنھوں نے دونوں علاقوں بلکہ تمام دنیا کی تاریخ پر اثر ڈالا اور جن کی تصدیق سے مورخین کو انکار نہیں۔[۳]

اس تناظر میں جب عرب میں اسلام پھیلا تو عرب اور ہندوستان کے تعلقات بڑھتے گئے اور مسلمان ملاحوں اور تاجروں نے ان تعلقات کو اور استوار کیا۔ اس بات کا اعتراف اعجاز الحق قدوسی نے یوں کیا ہے، لکھتے ہیں: "یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ محمد بن قاسم کے فوجی حملے سے پہلے اسلام ہندوستان میں بذریعہ تبلیغ داخل ہو چکا تھا اور جنوبی ہند میں اسلام مسلمان مبلّغوں، تاجروں، درویشوں اور سیاحوں کے ذریعے برابر ترقی کر رہا تھا۔"[۴]

سندھ پر محمد بن قاسم کے حملے سے یہ علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ ۷۱۳ھ میں محمد بن قاسم نے ملتان کو تسخیر کیا، یوں پہلی صدی ہجری کے آخر میں یہاں مسلم اثرات نمایاں ہونا شروع ہوئے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: "محمد بن قاسم نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں سندھ اور ملتان کو فتح کیا، اس کے بعد سے تقریباً سوا سو برس تک یہ پہلے دمشق اور پھر بغداد کی حکومت کا جزو رہا۔ تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے بیچ میں معتصم باللہ کے بعد مرکز کی کمزوری کے سبب یہاں کے عرب گورنروں نے خود مختاری سی حاصل کر لی۔ اس کے بعد کہیں ہندو راجاؤں نے کسی کسی حصے پر قبضہ کر لیا اور کہیں مسلمانوں

---

۲ اس نظم کا عنوان ہے "ہندوستانی بچوں کا قومی گیت"۔ کلیاتِ اقبال ص ۸۷۔
۳ آبِ کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۲۰۔
۴ تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی ص ۵۷۔

نے اپنی ریاستیں کھڑی کرلیں ۔ سلطان محمود غزنوی کے حملے تک ان میں سے بعض مسلمان ریاستیں سندھ میں قائم تھیں ، ان میں سے دو نسبتاً ذرا بڑی تھیں ، ایک سندھ کے سرے پر منصورہ میں اور دوسری سندھ کے خاتمے پر ملتان میں ۔ چوتھی صدی ہجری کے آخیر تک جو عرب سیاح یہاں آتے گئے وہ ان دونوں اسلامی ریاستوں کا حال بیان کرتے آئے ہیں ۔ ملتان منصورہ دیبل اور دوسرے شہروں سے سلطان محمود کے وجود سے پہلے بیسیوں مسلمان عالم اور محدث پیدا ہوئے ۔"[۵]

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو ملتان کی سندھ سے ایک الگ حیثیت تھی ، بلکہ اسے مرکزیت بھی حاصل تھی ۔ معتصم باللہ کے بعد ملتان ، سندھ اور منصورہ کے حکمرانوں کے ماتحت رہا اور بعد میں سندھ سے الگ ہو کر ایک خود مختار اور مستقل حکومت بن گیا ۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں " ملتان سے مقصود صرف ایک شہر نہیں بلکہ پورا صوبہ ہے جو کبھی پوری ایک ریاست بلکہ سلطنت تھا ۔ مصر کے وزیر مہلبی نے چوتھی صدی ہجری میں لکھا ہے کہ " اس کی حدود وسیع ہیں ۔ پچھم کی طرف مکران اور دکن میں منصورہ (سندھ) تک اس کی وسعت ہے ۔"[۶]

ملتان میں ۳۷۳ھ میں حکم بن شیبان حاکم بن کر آیا اور یہیں سے ملتان میں قرامطی یا اسمٰعیلی حکومت کی داغ بیل پڑی ۔ بشاری مقدسی لکھتا ہے " ملتان والے شیعہ ہیں ... ملتان میں خطبہ مصر کے فاطمی خلیفہ کا پڑھتے ہیں ۔" قرامطی ۱۰۱۰ء تک برسر اقتدار رہے ۔ آخری قرامطی حاکم ابوالفتح داؤد کا خاتمہ سلطان محمود غزنوی نے کیا ۔ غزنویوں کے زوال کے بعد ایک بار پھر قرامطی ملتان میں برسر اقتدار آ گئے اور سلطان محمد غوری نے ۱۱۷۵ء میں ملتان پر حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیا اور ملتان میں ناصرالدین قباچہ کو حکمران بنایا اور اس نے ایبک کی وفات کے بعد ۱۲۱۰-۱۱ء میں بقیہ حصوں پر بھی قبضہ کر لیا اور سندھ اور ملتان کے خطوں پر الگ حکومت قائم کی اور اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا ۔ یہ سکہ ملتانی زبان میں تھا ، بعد میں وہ ملتان سے اپنا مرکز اُچ لے گیا ۔ ۱۲۲۷ء میں التمش نے قباچہ کو شکست دے کر ملتان اور

---

۵ عرب و ہند کے تعلقات از سید سلیمان ندوی ص ۳۰۳-۳۰۲ ۔ ۶ ایضاً ، ص ۳۰۵ ۔

اُچ کو فتح کرکے اس کا سلطنتِ دہلی سے الحاق کر لیا۔ سلطان محمد تغلق کے بعد ملتان ایک بار پھر دہلی سے آزاد ہوا اور سندھ کے ماتحت رہا، اس دور میں سندھ پر سومرہ خاندان کی حکومت تھی جو ۱۰۵۲ء میں قائم ہوکر ۱۳۵۱ء تک یعنی تین سو آٹھ سال رہی۔ اس کے بعد سمہ خاندان نے قبضہ کر لیا اور وہ ۱۵۱۹ء تک حکومت کرتے رہے۔ اس دوران ملتان کئی بار خود مختار بھی ہوا۔ ایک بار پھر مرزا حسین ارغون نے ۱۵۲۴ء میں ملتان پر حملہ کیا اور ڈیڑھ سال کے محاصرے کے بعد ختم کیا۔ منشی عبدالرحمٰن خاں لکھتے ہیں: "سندھ اور ملتان میں ارغون خاندان کا اقتدار انتہائی عروج پر تھا کہ بابر نے حملہ کرکے اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔"[۵۷]

(۲)

ملتان کی سیاسی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی مذہبی، علمی، ادبی اور تہذیبی حیثیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ اسلامی دورِ حکومت میں ملتان پر پہلی صدی ہجری کے آواخر ہی سے اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات نمایاں شروع ہوئے، اسی طرح تیسری صدی ہجری سے صفاریوں کی فتوحات کی بنا پر ایرانی اثرات بھی پھیلے۔ یوں عربی زبان کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کے بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ چوتھی صدی کے سیاحوں نے ملتان کے بارے میں اور اس کی زبان، اس کے تہذیب و تمدن کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اصطخری (۳۴۰ھ) لکھتا ہے: "منصورہ اور ملتان اور ان کے اطراف کی زبان عربی اور سندھی ہے۔"[۵۸]

اسی طرح ابن حوقل (۳۶۷ھ) رقم طراز ہے: "منصورہ اور ملتان اور اس کے اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے۔"[۵۹]

چونکہ اس زمانے میں ملتان تک سندھ ہی کہلاتا تھا اس لیے سیاحوں نے ملتان میں بھی بولی جانے والی زبان کو سندھی کا نام دیا ہے، حالانکہ ملتان کی زبان سندھی سے مختلف

---

۵۷ آئینۂ ملتان از منشی عبدالرحمٰن خاں، ص ۱۰۱۔

۵۸ سفرنامہ اصطخری، لائیڈن پریس، ص ۱۷۷

۵۹ سفرنامہ ابنِ حوقل لائیڈن پریس، ص ۳۲۲۔

تھی جس کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔ بہرحال عربوں اور خاص طور پر مسلمانوں کی آمد نے جہاں سندھ اور ملتان کی تہذیب و ثقافت میں بھی بہت کچھ تبدیلیاں پیدا کیں جنھیں ہم اسلامی تہذیب کے عناصر کا نام دے سکتے ہیں۔ اسلام سے قبل ہندوستان میں اور خاص طور پر سندھ اور ملتان کے باشندے ہندومت، بدھ مت، جین مت اور اسی طرح کے دوسرے مذاہب کے پیروکار تھے۔ ملتان دو اطراف سے اسلامی تہذیبی اثرات کا اسیر ہوا۔ ایک عرب سے۔ دوسرا افغانستان اور ایران سے، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ملتان پر افغانی و ایرانی اثرات زیادہ ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ شیخ محمد اکرام کی اس رائے سے اختلاف کی گنجائش نہیں، لکھتے ہیں" محمد بن قاسم نے صحرائے سندھ میں جو سرچشمۂ فیض بہایا تھا وہ تو خشک نہ ہوا لیکن اس کے عرب جانشین اسے وسعت اور گہرائی نہ دے سکے اور جو نہریں اس چشمۂ فیض سے نکلی تھیں وہ ملتان تک آتے آتے خشک ہوگئیں۔ پنجاب اور شمالی ہند کے باقی علاقوں میں آب یاری ان لوگوں نے کی جو عرب سے نہیں بلکہ افغانستان سے آئے تھے ..... سندھ اور ملتان ۷۱۳ء میں فتح ہوئے تھے، اس کے بعد کوئی ڈھائی تین سو سال تک راجپوت شمالی ہندوستان میں بے کھٹکے حکومت کرتے رہے۔"[۱]

۹۹۲ء میں سلطان محمود غزنوی نے اس سرزمین کی طرف قدم بڑھائے اور اسلامی اثرات کو مزید مستحکم کیا۔ اس اعتبار سے ملتان میں عربی و ہندی تمدن و معاشرت کی خوش گوار آمیزش پیدا ہوگئی تھی۔ البیرونی لکھتا ہے:" شہر میں محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی جامع مسجد تھی۔" اسی طرح اصطخری نے لکھا ہے" ملتان کا امیر ہاتھی پر سوار ہوکر جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد جاتا ہے"۔ یہ خالص ہندو راجاؤں کی پُرشان و شکوہ سواری گویا عرب امیروں کو پسند آچکی تھی۔ پھر کہتا ہے کہ ملتان کے لوگ پاجامہ پہنتے ہیں اور اکثر لوگ فارسی اور سندھی بھی بولتے ہیں۔ غرض ہندوؤں اور مسلمانوں میں لباس اور زبان کی یکسانی بھی پیدا ہوچکی تھی۔ ابن حوقل (۳۶۷ھ) نے یہاں کے طرزِ لباس اور زبان کے متعلق اس قسم کا بیان دیا ہے، کہتا ہے" یہاں مسلمانوں اور

---

[۱] آبِ کوثر از شیخ محمد اکرام، ص ۵۵۔

ہندوؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہے اور بالوں کو چھوڑنے کا بھی وہی ایک طریقہ ہے اور اسی طرح ملتان والوں کی وضع ہے ..... ۳۷۵ھ میں بشاری آیا، اس نے یہاں کے اخلاق اور تمدن کا بہت کچھ اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ کہتا ہے " ملتان منصورہ سے چھوٹا ہے مگر اس سے زیادہ آباد، پھل گو زیادہ نہیں مگر سستے ہیں .. .. اور (عراق کی بندرگاہ) سیراف کی طرح سال کی لکڑی کے کئی کئی منزل کے مکانات ہیں۔ یہاں بدکاری اور شراب خوری نہیں اور جو اس جرم میں پکڑے جاتے ہیں اُن کو قتل کیا جاتا ہے یا کوئی سخت سزا دی جاتی ہے۔ خرید و فروخت میں نہ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ کم تولتے ہیں، مسافروں کی خاطر کرتے ہیں۔ اکثر باشندے عرب ہیں۔ نہر کا پانی پیتے ہیں ..... حکومت منصفانہ ہے، بازار میں کوئی عورت بناؤ سنگھار کیے ہوئے نہیں ملے گی اور نہ کوئی اس سے راستے میں علانیہ بات کرتا ہے۔ پانی اچھا، زندگی عیش و مسرت کی اور خوش دلی و مروّت ہے۔ فارسی زبان سمجھی جاتی ہے۔ تجارت کا نفع خاصا ہے، جسم میں تندرستی ہے لیکن شہر میلا ہے، مکانات تنگ ہیں، ہوا خشک اور گرم ہے، رنگ گندم گوں اور سیاہ ہے۔"[۱۱]

ان سیاحوں کے بیانات ملتان پر عربی تہذیب و تمدن کے آثار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسلام کے پیغامِ مساوات اور محبت نے یہاں کے سابقہ عقائد میں زلزلہ برپا کر دیا اور لوگ دامنِ اسلام میں آ کر سکون و عافیت محسوس کرنے لگے۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم نے تمدن و ثقافت پر عربی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے " اب دیبل سے ملتان تک کھجور کی جو نئی پود نظر آتی اس کے درختوں کا قد و قامت پہلے سے زیادہ مختلف نہ ہوتا، مگر اس میں جو خوشے لگتے ان کا رنگ و روپ اور ذائقہ کچھ بدلا ہوا ضرور ہوتا۔ ایسا ذائقہ جو عربوں کو عراق کی یاد دلاتا اور سندھی اس کو اپنی زمین کی پیداوار قرار دیتے اور یہ تغیر کچھ غیر متوقع نہ تھا۔"[۱۲]

اسی طرح آغا تاج محمد اپنے ایک مضمون " سندھ کے لوگ گیت" میں لکھتے ہیں: "ہر

---

[۱۱] عرب و ہند کے تعلقات از مولانا سید سلیمان ندوی، ص ۳۲ - ۳۳۱ - ۳۳۰۔

[۱۲] سندھ میں اردو از ڈاکٹر شاہدہ بیگم، ص ۳۰۔

ایک ملک کی زبان اور تمدن پر اس وقت کے فاتحین کی زبان اور رسم و رواج کا بہت اثر پڑتا ہے۔ علاقہ سندھ میں بھی عربوں کی آمد کے بعد عربی رسم الخط کا آغاز ہوا۔ اصلی باشندگانِ سندھ نے ٹوپیاں اُتار کر پگڑیاں باندھنا شروع کر دیں۔ کھجوریں بوئی گئیں۔ گھوڑے کی سواری قابلِ فخر سمجھی جانے لگی۔۔۔۔ اہلِ عرب کی تقلید کرتے ہوئے دوتارہ اور گھڑوں پر نغمہ سرائی کرنے کو باعثِ تفریح تصوّر کیا جاتا تھا۔[۱۳]

یہی صورتِ حال ملتان کی تھی۔ اسلام کے آتے ہی مساوات آئی۔ سرمایہ داری، جاگیرداری اور ملوکیت کا خاتمہ ہوا۔ عوام کی طرف سے خاصا خوش آمدید ہوا اور عوام میں مقبولیت ہوئی۔ انھوں نے سسٹم کو دیکھا اور صرف مذہب کے طور پر نہیں بلکہ زندگی اور تمدن کے طور پر اسے قبول کیا۔ وادیٔ سندھ کا کلچر خاصا مضبوط ہے، باہر سے آنے والے ثقافتی حملوں نے اپنے اثرات پیدا تو کیے مگر مقامی اثرات بھی رہے۔ سب سے بڑا انقلاب ناموں کے سلسلے میں برپا ہوا کہ جب یہاں کے باشندوں نے اسلامی نام رکھے مگر مقامی نام بھی برقرار رہے اس طرح دو نام رکھے گئے، مثال کے طور پر نبی بخش اللہ بچائیو۔ غلام حسین ہدایت اللہ وغیرہ۔ ابوظفر ندوی نے "تاریخِ سندھ" میں، مولانا غلام رسول مہر نے "تاریخِ سندھ" میں اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے "سومرن جو دور" میں سومرہ خاندان کے ناموں کی جو فہرستیں دی ہیں ان میں دو نام ہیں۔ رہن سہن کے طریقوں میں عربی اثرات ترتیب پا گئے۔ اسی طرح مذہبی اصطلاحات میں صلوٰۃ، درود، مصلیٰ، تسبیح وغیرہ کے نئے الفاظ آئے بلکہ اب تک نماز کی نیت اہلِ ملتان مقامی زبان میں ہی کرتے ہیں مثلاً "نیت کریندا نماز دی، نماز پڑھداں واسطے خدا دے، دو رکعت نماز فرض، فرض اللہ تعالیٰ دے، وقت نماز فجر، بندگی حق تعالیٰ دی، منہ خانے کعبے دو۔ اللہ اکبر"

اسی طرح دنوں کے نام میں بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ خمیس اور جمعہ عربی سے اور ایتوار، سوموار، منگل وار اور بدھ وار ہندوانہ رہنے دیے گئے۔ مقامی طور پر جو میلے ٹھیلے لگتے تھے وہ بھی برقرار رہے اور مقدس میلوں کی شکل عیدین نے لے لی۔ نسب نامے عربوں کو یاد تھے اور

---

[۱۳] ماہِ نو مئی ۱۹۴۹ء، ص ۲۷

یہ وہاں کی ایک خصوصیت ہے اور شجرۂ نسب کو عرب میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے زیرِ اثر اس علاقے میں بھی مراثیوں کا طبقہ بنا جو مقامی لوگوں کے نسب نامے یاد کرتا تھا اور موقع محل کی مناسبت سے سناتا بھی تھا۔

اہلِ ملتان کے لباس کے بارے میں کچھ حوالے اوپر آگئے ہیں۔ یہاں قمیص اور شلوار بھی پہننے کا رواج ہوا۔ زیورات میں بازو بند اور گلو بند آئے۔ پیشوں کے اوزاروں کے نام بھی عربی و فارسی اپنائے گئے۔ رقص و سماع کی محافل اور صوفیانہ رنگ بھی در آیا۔ اسی طرح بعض اسلامی رسوم بھی اپنائی گئیں مثلاً عقیقہ، ختنہ اور نکاح وغیرہ۔ شادی بیاہ کی رسموں میں اگرچہ تبدیلیاں آئیں تاہم ہندووانہ رسمیں بھی جاری رہیں۔ اخلاقیات، عقائد اور صوفیانہ نظریات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ غرض اسلامی تہذیب نے ملتانی تہذیب وثقافت کو ایک طرح سے تبدیل کر کے رکھ دیا۔

ایک فلاسفر لاک (L o c k) کا کہنا ہے کہ "آپ مجھے کسی قوم کے خدا کے بارے میں بتادیں تو میں اس قوم کی ثقافت، سماج اور طریقِ زندگی وغیرہ سب کچھ آئینے کی طرح بتادوں گا۔"

اس قول کی روشنی میں اگر ادیان کا تقابل کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ہندوؤں کے ہاں کئی خدا ہیں۔ ایران میں دو خدا (یزداں، ہرمن)، عیسائیت میں تین خدا — حتیٰ کہ ملائیت اور پاپائیت نے بہشت کے پروانے ایک شلنگ میں بھی فروخت کیے، مگر اسلام میں صرف ایک خدا کا تصور ہے۔ چنانچہ نظریۂ توحید نے یہاں کے لوگوں کی حالت کو بدل کر رکھ دیا اور انھوں نے سماجی اور معاشرتی زندگی میں بھی اس کو عملی طور پر رائج کیا جس کا ذکر عرب سیاحوں کے سفرناموں میں موجود ہے۔

اسلام میں علم کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس لیے ہر مرد اور عورت کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے لیے سب سے بڑا مدرسہ اور یونیورسٹی مسجد نبوی تھی جہاں سے علم حاصل کرنے کے بعد ان گنت علم کے شیدائی دنیا کے تمام خطوں میں پھیل گئے اور قرآنِ پاک کی تعلیم بستی بستی شروع ہوگئی اور اس کی تعلیم کے لیے مسجد بہت بڑا علمی مرکز بن گیا اور بعد میں اسلامی درس گاہوں نے یہ کام کیا، جہاں ناظرہ قرآن، قرآنی مسائل اور ایمان کی شرطوں کی تعلیم مقامی

زبان میں دی جاتی تھی، حتیٰ کہ فارسی زبان کی کتابوں کے مقامی زبانوں کے ترجمے پڑھائے جاتے تھے۔ واعظین اور مبلّغین مقامی زبان میں وعظ کہتے تھے اور بستی بستی جاکر قرآنی تعلیمات کو عام کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارے کا سارا یہ خطہ اسلام کے نور سے منور ہوگیا اور ثقافتی و تہذیبی اعتبار سے اس کی کایا پلٹ گئی۔ اس کا سہرا بلاشبہ صوفیا اور مبلّغین کے سر ہے جنھوں نے اسلام کی شمع روشن کی اور دور دراز کا سفر کرکے علم کی شمع بجھائی۔

(۳)

ہندوستان اور خاص طور پر سندھ اور ملتان میں صوفیا نے اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لیے خاصا اہم کام کیا اور ان کی وجہ سے اسلام پھیلا۔ اگر یہ صوفیائے کرام تبلیغ دین کا کام نہ کرتے تو اس خطے میں مسلمان نہ ہوتے۔ جن صوفیائے کرام نے اس علاقے میں دینی خدمات انجام دیں ان کے نام یہ ہیں:

شاہ یوسف گردیز ۱۰۸۶ء تا ۱۱۵۲ء

بہاءالدین زکریا ملتانی ۱۱۷۲ء تا ۱۲۶۲ء

شاہ شمس سبزواری ۱۲۶۹ء

سید جلال الدین سرخ بخاری وفات ۱۲۹۱ء

مخدوم جہانیاں جہاں گشت وفات ۱۳۸۴ء

خواجہ نور محمد مہاروی ۱۱۴۲ھ تا ۱۲۰۵ھ

خواجہ محمد عاقل متوفی ۱۲۲۹ھ

حافظ جمال ملتانی متوفی ۱۲۲۶ھ

شاہ سلیمان تونسوی ۱۱۸۴ھ تا ۱۲۶۷ھ

خواجہ اللہ بخش تونسوی ۱۲۴۱ھ تا ۱۳۱۹ھ

ان سے پہلے حضرت بابا فرید گنج شکر کا نام بھی لیا جاسکتا ہے اس لیے کہ وہ ملتان کے نزدیک اجودھن (پاک پٹن) میں مقیم تھے۔ یوں دیکھا جائے تو ملتان اور اُچ میں تبلیغی اور صوفیانہ سرگرمیاں سہروردیہ اور چشتیہ سلسلے کی وجہ سے ہوئیں بلکہ سہروردیہ سلسلے کی

خانقاہیں ملتان اور سندھ تک محدود رہیں، البتہ چشتیوں نے اپنا نظام پاک پٹن سے لے کر لکھنوتی اور دہلی سے لے کر دیوگیر تک قائم کیا۔

صوفیا کی سرگرمیوں کی بنا پر تصوف کے جو اثرات تہذیبی اور سماجی زندگی پر پڑے اس کے نکات یہ ہیں :

۱۔ شخصی ملکیت کے تصور کا خاتمہ ہوا۔ اولیا اور صوفیا کے پاس جو کچھ آتا تھا غربا اور مستحقین میں بانٹ دیتے تھے۔

۲۔ جماعت خانے کی تشکیل ہوئی جہاں اپنے ہاتھ سے کام کیا جاتا تھا۔

۳۔ عوام سے گہرا تعلق پیدا ہوا اور انسانیت کی خدمت کا جذبہ اجاگر کیا گیا۔

۴۔ عورتوں کی عزت و تکریم کا درس دیا گیا۔

۵۔ جماعت خانہ علم و فضل کا مرکز بن گیا۔

۶۔ مہمانوں کے قیام کے لیے مہمان خانے اور طعام کے لیے لنگر خانے جاری ہوئے۔

۷۔ علم کے حصول کے لیے سفر پر نکلنے کی تلقین کی گئی۔

۸۔ انفرادی آزادی کا پرچار کیا گیا۔

۹۔ امن پسندی کا شعار اپنا گیا۔

ملتان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں یہ کام چشتیہ سلسلے کے بزرگوں نے کیا اور اس کیفیت و حالت کو یکسر بدل کر رکھ دیا جس کا نقشہ خلیق احمد نظامی نے کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں "گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی سماجی حالت حد درجہ تباہ تھی۔ ہر شخص نہ صرف "اسیرِ امتیازما و تُو" تھا بلکہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ـــــ اتحادِ فکر و عمل کا کہیں دور دور نام نہ تھا۔ چھوت چھات نے مدنی زندگی کے سارے چشمے مسموم کر دیے تھے، زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لیے مخصوص تھیں۔ غریب عوام جن مصائب میں مبتلا تھے ان کی دردناک تصویر ابو الریحان البیرونی نے "کتاب الہند" میں پیش کی ہے۔ زندگی ان کے لیے بوجھ تھی، اللہ نے انھیں آدمی بنایا تھا لیکن اس کے بندوں نے انھیں جانوروں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ البیرونی لکھتا ہے "ہندوؤں میں بکثرت ذاتیں ہیں، ہم مسلمانوں

کا مسلک عام مساوات نیز اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کے مطابق ان سے بالکل جداگانہ ہے اور یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہے۔"[۱۴]

ان حالات میں صوفیا نے چھوت چھات کے بھیانک ماحول میں اسلام کے نظریات کا عملی طور پر پرچار کیا اور ذات پات کی اس غیر اسلامی تقسیم کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا اور اس طرح ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب برپا کیا۔ اس سلسلے میں اور خاص طور پر درس و تدریس کے سلسلے میں اُچ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے اسلامی یونیورسٹی قائم کی، خاص طور پر ٹیچر ٹریننگ کا پروگرام عملی طور پر پیش کیا جس میں مبلّغین کو نہ صرف تعلیم دی جاتی تھی بلکہ ہنر بھی سکھایا جاتا تھا تاکہ وہ روٹی روزی کا بھی بندوبست خود کر سکیں۔ چشتیہ سلسلے کے بزرگوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور لوگوں کے اخلاق سدھارنے کی طرف توجہ دی۔ حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی خدمات قابل ہیں جنھوں نے دور دراز علاقے میں اسلام کا بول بالا کیا اور اپنے فیوض و برکات سے لوگوں کو مالا مال کیا۔

(۴)

علم و فضل اور مرکزِ اولیا و صوفیا کے اعتبار سے خطۂ ملتان کی بڑی اہمیت ہے۔ مذہبی وجہ سے عربی کا چرچا اسلام کی آمد سے ہوا۔ فارسی ایرانی اثرات کے تحت آئی اور طویل عرصے تک یہاں کی سرکاری زبان رہی۔ یہی کیفیت اُچ کی بھی تھی۔ بہاء الدین زکریا ملتانی کے عہد میں عراقی کافی عرصہ ملتان رہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی "ملتان میں اُردو شاعری" کے دیباچے میں رقم طراز ہیں "مسلمانوں کی آمد کے بعد ملتان کو تجارتی و ثقافتی اہمیت حاصل ہوئی، جب تک دہلی کو دارالحکومت کی حیثیت حاصل نہیں تھی، اس وقت تک ملتان کی مرکزی حیثیت مسلّم تھی بلکہ دہلی کی آبادی کے بعد لاہور کی طرح ملتان[۱۵] بھی ثقافتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ فارسی ادب کے بعض نادر نمونے اسی سرزمین کی پیداوار ہیں۔ قباچہ کا دربار علم پروری اور

---

[۱۴] تاریخِ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی ص ۴۵ - ۱۴۴۔

[۱۵] حضرت علی ہجویری کے بقول "لاہور کیے از مضافاتِ ملتان"۔

علم دوستی کے لیے تاریخ ملتان کا زرّیں دور ہے۔ صدرالدین محمد اوفی کے تصنیفی کارنامے ملتان ہی کی سرزمین سے اُٹھے۔ قباچہ کے بعد اگرچہ ملتان کو وہ حیثیت حاصل نہ رہی لیکن اس کی ثقافتی و ادبی روایات کا تواتر قائم رہا۔ بلبن کے فرزند سلطان محمد شہید کی گورنری کے زمانے میں ملتان ایک بار پھر علم کا گہوارہ بن گیا۔ امیر خسرو اور حسن سنجری اسی سرزمین میں قیام پذیر ہوئے اور یہاں شعر و ادب کی محفلیں گرم ہوئیں۔ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں بیان کیا ہے "سلطان نے اس مرحلے پر شیخ سعدی کو بھی ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔" اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح اطراف و اکناف کے ادیب و شاعر ملتان کی سماجی زندگی میں شریک ہوتے ہوں گے۔ اگرچہ مغلیہ دور میں ملتان کو مرکزیت حاصل نہ رہی مگر شعر و ادب کی روایات نے ملتان کی تہذیبی حیثیت کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔"[۱۶]

اس اعتبار سے ملتان علمی و ادبی لحاظ سے پیش پیش تھا۔ ملک الشعرا طالب آملی نے ایک عرصہ ملتان میں قیام کیا۔ چونکہ سرکاری زبان فارسی تھی اس لیے فارسی شعرا کی تعداد بھی کم نہیں۔ کرنل عبدالرشید نے "تذکرہ شعرائے پنجاب (فارسی)" میں ملتان کے تیس شعرا کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ فارسی شعر و ادب کی خدمت میں ملتان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے "ملتان میں اُردو شاعری" کا پہلا باب ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے انگریزی دور تک فارسی کا غلبہ رہا اور یوں خطۂ ملتان کی علمی و ادبی فضیلت قائم رہی۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔ محمد بن قاسم کی آمد ہی سے ملتان میں اسلامی اثرات در آئے، پھر صوفیا کے مساکن کی بنا پر یہاں تصوف کا خاصا چرچا رہا اور اسلامی ادب کی بنیاد پڑی۔ صوفیائے کرام کے ملفوظات، ان کی تصنیفات، شعرا کے کلام اور منظومات میں اسلامی ادب کی بھرپور جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ عربی اور پھر فارسی ان صوفیا کی زبان تھی، مگر مقامی زبان یعنی ملتانی کے نمونے بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں (جو

---

[۱۶] ملتان میں اردو شاعری از ڈاکٹر طاہر تونسوی ص ۱۰-۹۔

اگرچہ کتابی شکل میں سامنے نہیں آئے) خاص طور پر اسلامی مدرسوں اور درس گاہوں میں ملتانی زبان ہی میں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی، اس لحاظ سے اسلامی ثقافت اپنی بہترین شکل میں موجود تھی۔

(۵)

ازمنۂ قدیم میں ملتان کے خطے کی کیا زبان تھی، اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ عرب سیاحوں کے بیانات (جن کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہوا ہے) کے مطابق یہاں عربی فارسی اور سندھی بولی جاتی تھی۔ چونکہ یہ علاقہ بھی سندھ ہی کہلاتا تھا اس لیے سیاحوں نے اس خطے کی زبان کو بھی سندھی لکھا ہے۔ ہندوستان کی قدیم زبان سنسکرت ہے، قدیم عہد میں جو بولیاں سنسکرت سے دور تھیں یا اس کے مزاج کے مطابق نہ تھیں، انھیں اپ بھرنش کہا جاتا تھا۔ اس تعلق سے وادیٔ سندھ میں وراچڈہ اپ بھرنش بولیاں بولی جاتی تھیں یا پساچی زبان جو دراوڑی زبان ہے وادیٔ پامیر سے دریل تک بولی جاتی تھی۔ جو میدانی زبان اس زمانے میں رائج تھی وہ وراچڈہ تھی۔ ڈاکٹر شیکل نے وراچڈہ زبان کے ایک مسلمان شاعر عبدالرحمٰن کا نمونہ دریافت کیا ہے مگر اسے پڑھا نہیں جا سکا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق وراچڈہ ہی وہ زبان ہے جس کی موجودہ شکل ملتانی (اب سرائیکی) ہے۔ یقینی طور پر اس زبان میں ادب بھی تخلیق کیا گیا ہوگا مگر ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔ عربوں کی آمد کے وقت ملتانی زبان اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھی۔ ہارون بن عبداللہ ملتانی[۱۷۵] دوسری صدی ہجری کا ہندوستان کا سب سے بلند پایہ عربی شاعر تھا اور وہ ملتانی کا بھی قادر الکلام شاعر تھا۔ اس سے ملتانی زبان کی قدامت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے بعض جملے درج کیے ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی کا فقرہ :

برکت شیخ پٹھا ـــــ اک موا اک نٹھا

اسی طرح حضرت جہانیاں جہاں گشت کا قول جو انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی راجو قتال

---

۱۷۵ تاریخ سندھ از ابوظفر ندوی، ص ۳۶۶۔

کے حق میں فرمایا تھا " اساں خوجے تُساں راجے "[۱۸]۔ بہرحال فارسی اور عربی کے زیرسایہ مقامی طور پر ملتانی بھی پرورش پاتی رہی اور اہلِ ملتان کے حکومت میں عمل دخل کی بدولت اس کا بھی کچھ نہ کچھ چرچا رہا۔ آئینِ اکبری میں ابوالفضل نے پہلی بار زبانوں میں اس کا نام ملتانی درج کیا ہے اور ویسے بھی سلطان محمود غزنوی سے لے کر مغلیہ دورتک سرکار دربار میں ملتانی سوداگروں، تاجروں، عالموں، گورنروں اور حاکموں کی عمل داری رہی اور ان سب کی زبان ملتانی ہی تھی۔ چنانچہ غیرسرکاری سطح پر ہی سہی ملتانی بھی درباروں تک پہنچی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ کبھی بھی خواص کی زبان نہ بن سکی اور ہمیشہ عوام ہی میں رہی، اور یہ ہمیشہ اولیا کی زبان رہی اور اسے سرکاری سرپرستی حاصل نہ ہو سکی بلکہ استحصال کا شکار رہی۔ البتہ سندھ میں سومرہ خاندان کی حکومت (۱۰۳۰ء تا ۱۳۹۲ء) میں اسے عروج حاصل ہوا اور سرکاری سطح پر اسے تسلیم کیا گیا۔ محمد علی صدیقی لکھتے ہیں:

" سومرہ خاندان کے عہد میں جو بھٹی راجپوتوں کا ایک قبیلہ ہیں سرائیکی زبان کو ملتان اور سندھ میں پہلی بار سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی .... سومرہ حکمرانوں نے سرائیکی زبان کو ملتان و سندھ کی سرکاری زبان قرار دیا۔"[۱۹]

سومرہ خاندان قرامطیوں کے ہاتھوں مسلمان ہوا تھا اور چونکہ قرامطہ ملتان کے حکمران تھے اور ان کی زبان بھی ملتانی (سرائیکی) ہی تھی اس لیے انھوں نے اسے ترقی دی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرامطہ نے بھی زبان کے معاملے میں خاص توجہ دی اور چونکہ وہ شیعہ عقائد رکھتے تھے، اس لیے ان کے دور میں مرثیہ گوئی کو عروج ہوا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

(۶)

عربوں نے جہاں سندھ اور ملتان کی تہذیب و ثقافت پر اثر ڈالا وہاں عربی زبان نے بھی مقامی زبانوں پر اثرات ڈالے اور مقامی زبانوں نے بھی عربی کے کئی لفظ اپنا لیے۔ یہی

۱۸؎ ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۳۲۵۔

۱۹؎ سچار کراچی یکم فروری ۱۹۸۱، ص ۱۲ بحوالہ ڈان کراچی ۸ر اگست ۱۹۸۰۔

کیفیت فارسی کی بھی ہے، چنانچہ ملتانی میں عربی اور فارسی کے الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے، یوں لسانی سطح پر بھی عرب چھا گئے۔ نمونے کے طور پر کچھ الفاظ درج کیے جاتے ہیں:

عربی	سرائیکی
آزار	ازار
اصلاً	اصلوں
امیرالبحر	میر بحار
بخرہ	بخرا
بصل	وسل
تابوت	تبوث
تعویذ	تویذ
حُجرہ	حجُرا
حلیم	حلیم
حمائل	حمیل
زعم	زوم
طاس	تاس
طاق	طاق
طباخ	طباخی

اسی طرح فارسی زبان کے الفاظ کی فہرست بھی بنائی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے "ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق" میں تفصیل سے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو ۲۶۴-۲۴۳۔ سید سلیمان ندوی نے نقوش سلیمانی میں "دیسی زبانوں میں مسلمانی لفظوں کا میل" میں اصطلاحات اور کی فہرست دی ہے، ملاحظہ ہو ۳۰-۲۶۔ چنانچہ بعض الفاظ کو اسی طرح قبول کر لیا گیا جیسے اللہ، ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خیرات، دعا، صدقات، رسول، پیغمبر، وحی، کتاب، دوزخ، بہشت، بادشاہ، وزیر، صوبہ دار، قاضی، انگور،

انار، سیب، خربوز، بادام، گلاب، نرگس، نسرین وغیرہ - اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عربی کس درجہ سرائیکی میں داخل ہے۔

ایک روایت کے مطابق بزرگ بن شہریار نے جو عراقی مسلمان شاعر تھا اور ہندوستان کی مختلف زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا، اس نے قرآن پاک کا ترجمہ سندھی میں کیا۔ قیاس غالب ہے کہ وہ چونکہ مقامی زبانیں جانتا تھا اس لیے ترجمہ کرتے وقت اس نے سرائیکی کے الفاظ بھی استعمال کیے ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھی کے بعد سرائیکی اس خطے کی دوسری زبان تھی اور آج بھی سندھ کے لوگ "ذولسانین" ہیں۔ بعض خاندانوں میں اب بھی سرائیکی بولی جاتی ہے۔

سرائیکی کی اب تک جو دو قدیم تحریریں ملی ہیں ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس پر کس قدر اسلامی اثرات تھے۔ پہلی تحریر قصیدہ بُردہ کا ترجمہ ہے اور دوسری تحریر حُلیۂ مبارک ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنی کتاب "سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں" میں "سرائیکی زبان دیاں دو قدیم تحریراں" کے عنوان سے انھیں شائع کر دیا ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۰۹-۶۱۔ اس کے مترجم کا ابھی تک پتا نہیں لگ سکا۔ اس کی زبان اور کتابت سے اس کی قدامت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دوسری تحریر حُلیہ مبارک غلام حسین کا لکھا ہوا ہے جس کے حالات و واقعات پر گم نامی کا پردا پڑا ہوا ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

حمد ثنائی خدائی سچیکوں خالق خلقن ہارا
خلقیس نبی رسول محمد صورت انت سُہانڑا
پندا اہا رسول مبارک عیبوں بے نقصانوں
نور تجلی نور نبیاں جلوہ نور نشانے

اس کے ۵۵ اشعار ہیں اور شاعر کی قادرالکلامی کا مظہر ہیں۔ اسلامی اثرات کی بنا پر سرائیکی کے دوہڑے، کافیاں، نورنامے، تولدنامے، معراج نامے، مسیت نامے، ہدہدنامے، مولود شریف اور نصاب ضروری تحریر کیے گئے اور ان کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کے سرائیکی تراجم بھی ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:

حافظ محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق نورنامہ ۷۵۲ھ کی تصنیف ہے، اب تک اس کے مصنف کا پتا نہیں چل سکا، البتہ اس کا متن مل جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے تتبّع میں بھی کئی نورنامے لکھے گئے، نمونہ ملاحظہ ہو:

صفت ثنا ربے دی کیجے جو صفتاں دا والی
باجھوں صفت ثنا ربے دی جا نھیں کوئی خالی
خالق خلقت کُل دو پائی سکھ ہزار کروڑیں
مول شمار نہ کیتا جاوے عقل و نجے کے توڑیں
جو کجھ روئے زمین تے پیدا سبز سفید سیاہی
سرخی زردی گوناگونی قدرت سبھ الٰہی
اللہ واحد خالق رازق قادر رب توانا
جو کجھ جانُس سو کجھ کیتُس ہر حکمت وچ دانا[۵۲۰]

اسی طرح ایک اور نورنامہ بھی ملتا ہے جس کا نمونہ یہ ہے:

اول حمد ربینوں آکھاں جیندے ہتھ ارادہ
جس بود کیتی نابودوں خلقت جفت کیتا نرمادہ
خلقت گوناگوں او پائی آدم جن ملائک
کُن فیکونوں ظاہر کیتُس کرے جو اس نوں لائق
چھیاں دِناں نوحیہ چن تارے طبق زمین اسماناں
استوار کیتے رب خالق جیونکر وچ قرآناں
پڑھ کے نعت نبی آکھاں نال پڑھاں صلواتاں
آل اتے اصحاباں یاراں ساریاں نوں سکھ نعتاں

ان دونوں میں زبان اور بیان کا واضح فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔

---

۵۲۰ نورنامہ ملتانی مرتبہ دلشاد کلانچوی، ص ۲

نجات المومنین عبدالکریم جھنگوی کی تصنیف ہے جو ۱۰۸۶ھ میں لکھی گئی۔ اس میں سرائیکی زبان کے الفاظ کی کثرت ہے۔ نمونہ دیکھیے :

سبھ ثنا خدائنوں جیندا کل جہان
بہت درود رسول نوں لتھا جیں فرقان
وت درود اصحاباں نوں چارے جان عیان

اور آخر میں :

ایہ مسائل فقہ دے پڑھ کے رکھو یاد
تا تھیئو ڈینہ حشر دے دوزخ کنوں آزاد

مولانا عبدی نے فقہ کے مسائل پر کئی رسالے لکھے جن میں تحفہ نص فرائض، انواع العلوم اور معرفتِ الٰہی معروف ہیں۔ ان میں سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ایک رسالہ حفظ الایمان بھی ہے جس کا نمونہ ملاحظہ ہو :

تمامی صفتاں چنگیاں جو کامل جل جلال
اسم جمیل تے اجمل صفتاں محب حبیب کمال
کل حامد جوں حمد کریندے ازلوں اندہیشاں
جوں خالق نوں مخلوقاں کیتا غیتاں کل درویشاں

اسی طرح معراج نامہ بھی لکھا گیا اور اس کے کئی نمونے ملتے ہیں۔ حافظ محمد شاعر کا معراج نامہ مشہور ہے اور کئی بار شائع ہوا ہے۔ اس کا آغاز دیکھیے :

حمد خدا ستارکوں خلقیس زمین و آسمان
آخری پیدا کیتس نوروں نبی ہک عالیشاں
رات ڈینہ ہردم صلواہ آکھے زبانوں مسلمان
پڑھ صفت حضرت نبی دی ہے اُمت دا آسرا
توں اگے فریاد میڈی یا محمد مصطفےٰ [۲۱]

---

[۲۱] معراج نامہ حافظ محمد شاعر مرتبہ دلشاد کلانچوی ص ۲

سہرا معراج شریف کے نام سے احمد یار کا قلمی نسخہ ملا ہے جو حبیب فائق کے پاس موجود ہے۔ اس کے چند اشعار دیکھیے :

معراج مانے بناں معراج مانے بناں — توں ہیں کل اُمت دا وناں
تو عرش فلک دا والی — تیرے ملک فلک گھڑ نیالی
تیڈا جبرائیل مثالی — معراج مانے بناں
تیڈے میلے ملک افلاکی — اتے نوری ناری خاکی
سر چھتر تیڈے لولاکی — معراج مانے بناں

اسی طرح ایک ہدہد نامہ بھی ملا ہے جو احمد یار کا لکھا ہوا ہے اور یہ بھی قلمی ہے اور حبیب فائق کے پاس محفوظ ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجیے :

جیویں ہدہد مدینے دی طرف جا — تمامی حال، مجبوری دے سنوا
کریں پہلے طواف اوس یار دے توں — میرے اُس یار تے غمخوار دے توں
کریں بعد از ثنا ئش صد تحیات — کروڑاں بار تسلیمات و صلوات
باہاں بدھکر ادب دے نال اونجا — دو زانو بہہ کے سبہ احوال سنوا
آکھیں رو رو کے سارا ہجرا دا حال — لدی حضرت اسانوں مہر توں بھال

حُلیہ مبارک بھی کافی تعداد میں ہیں اور مختصر ہیں۔ مولوی عزیز الرحمٰن عزیز کے حُلیہ مبارک کے شعر دیکھیں :

ہنس مکھ رہے ہمیشہ سرور غصہ کڈھانہ آوے
جوش دے وقت متھے وچ ہک رگ اوبھرے جنبش کھاوے
رہے نگاہ ہمیشہ جھکی او تے دیکھے گاہے
پہلے کرے سلام ہمیشہ خلق دے نال الائے[۲۲ھ]

قصہ ہرنی سرائیکی علاقے میں بہت پڑھا جاتا ہے اور یہ سرورِ کائنات کا معجزہ ہے،

۲۲ھ حلیہ مبارک از مولوی عزیز الرحمٰن عزیز، ص ۶۔

اسے بھی بہت سے شاعروں نے نظم کیا ہے۔ ایک قصے کے اشعار دیکھیے :

اول حمد کہو سب مومن آنو شکر بجا
مطلق رازق خالق ہر دا سچا پاک خدا
حضرت ہی محمد صاحب نبیا ندا سردار
پڑھو درود و صلواۃ ہمیشہ مومن بے شمار[۲۳]

سرائیکی میں نعت بطور صنف کے بہت بعد میں آئی ہے۔ عہدِ قدیم سے سرائیکی میں مولود شریف لکھے جاتے تھے اور مساجد میں یا مذہبی جلسوں میں پڑھے جاتے تھے۔ مولود شریف کے کئی کتابچے شائع ہوئے ہیں جن میں فدوی، مولوی محمد اعظم، احمد یار، نور محمد گدائی، مولوی عبید اللہ، مولوی کریم بخش پردیسی، خادم اور مولوی محمد صدیق امرپوری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر شعرا کے نمونے دیکھیے : (خادم کے مولود شریف کا قلمی نمونہ)

قاصد شوق کبوتر ہوئے — شہر مدینے جائیں میڈے یارا
خدمت پاک نبی سرور دے — رو کر حال سنائیں میڈے یارا
بہہ کر نال نیاز ادب دے — حاضر خدمت شاہ عرب دے
عرض کریں سبہ نال طلب دے — سمجھ کے سخن الائیں میڈے یارا

اور اب مولوی محمد صدیق کے مولود شریف کا نمونہ :

صبا ونج آکھ سوہنے نوں تیرے درداں مکایا ہے
ایہہ اگ تیرے ہجر والی جگر میرا جلایا ہے
وچھوڑا نت مریندا ہے جگر میرا جلیندا ہے
صبر کیتا نہ ویندا ہے النیا عشق لایا ہے[۲۴]

اسی طرح نور ن گدائی کا بارہ ماہ محمدی بھی سرائیکی شاعری کا شاہ کار ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

---

[۲۳] قصہ ہرنی معجزہ سرورِ کائنات از ڈتن ملتانی، ص ۱۔
[۲۴] مثنوی شمس الطریق معہ مجموعہ مولود شریف از مولوی محمد صدیق امرپوری، ص ۱۴۔

چیتر چیت ہمیشہ کردی وچ مدینے جانواں میں
روضے پاک نبی دے اوتوں اپنی جان گواواں میں
جیکر ہووان حضوروں پوری سارے مطلب پانواں میں
رب رحیم کریم قادر توں ہر دم ایہو چاہاں میں
وساکھ وساکھی لوکی جاون میں ٹر پووان مدینے نوں
جس دی دولت دین دُنی سب ڈیکھاں اوس خزینے نوں

ان سب منظومات میں عشقِ خداوندی، محبتِ رسول اور تلاشِ یار کے مضامین ملتے ہیں اور ان کا بڑا مقصد بخشش ہے اور قربِ الٰہی کے بعد قربِ رسول کی خواہش ہے۔ ان کے مطالعے سے اس دور کے لوگوں کی دین سے محبت اور اسلام کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے کی خواہش کا پتا چلتا ہے اور اس طرح ان کے مذہبی رویے سامنے آتے ہیں۔ سرائیکی میں ۸۷۹ھ میں نصاب ضروری بھی لکھا گیا ہے جو سرائیکی نعت ہے اور اس کے مصنف مولوی خدا بخش ساکن تونسہ شریف ہیں۔ اس میں سرائیکی ذخیرۂ الفاظ کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کے الفاظ بھی کثرت سے ہیں۔ ایک نمونہ دیکھیے:

غافر باری بخشن والا — اُسد کم ہے سردیاں والا
رسول پیغمبر مُرسل پٹھیا — شیطان ابلیس فگندہ سٹیا
ملک فرشتہ پری ہے جن — ہاتف سروش بستان گہن
چرخ فلک سپہر آسمان — گیتی دنیا آفاق جہان[۲۵ھ]

قرآنِ پاک مسلمانوں کے لیے منبع نور و رشد و ہدایت ہے۔ سرائیکی دانش وروں اور عالموں نے قرآن پاک کے سرائیکی تراجم بھی کیے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

بارہاں سورہ شریف	محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ
پارہ الم	مولوی احمد بخش

۲۵ھ نصاب ضروری ص ۲

قرآن پاک دا پہلا پارہ الم	مولانا خیرالدین صابر ملتانی
قرآن پاک دے تیرھویں پارے دا ترجمہ	مولانا عبدالتواب ملتانی
قرآن کریم پارہ ۱	نور احمد بن شمس الدین سیال
قرآنِ مجید	محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ بہاول پوری
قرآنِ مجید	ڈاکٹر مہر عبدالحق
ترجمہ تفسیر سورۃ الفاتحہ	دلشاد کلانچوی

ان تراجم میں کافی فرق ہے اس لیے نمونے کے طور پر سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جو سرائیکی میں ہے :

"سبھے صفتاں اللہ دین جو سارے جہاناں دا پالن والے آیں این جہان وچ ہر کہیں تیں مہربانے آیں او جہان وچ مسلمانیں تیں قیامت دے ڈینہ دا ملکے۔ ہک تیڈی بندگی کریندے ہیں تیں ہک تیں کنوں یاری منگدے ہیں۔ سیدھا راہ ڈکھال اساکوں ایں مقبولیں دا راہ جنھیں تیں مہربانی کیتی ائی نہ اُنھیں لوکیں دا راہ جنھیں تیں کاوڑ کیتی ائی آیں نہ گمراہیں دا۔" (مولوی احمد بخش)

"سب تعریف واسطے اللہ دے ہے جو پالن والا ہے جہاناں دا، عام رحمت والا ہے، خاص رحمت والا ہے مالک ہے ڈینہ خبر دا۔ خاص تیڈی بندگی کریندے ہیں اساں۔ اتے خاص تیڈی مدد چاہیندے ہائیں۔ چلا ساکوں راہ سیدھا۔ راہ اُنہاں لوکاں دا جو انعام کیتا تیں اُتے انہاں دے نہ اُنہاں دا جو کاوڑ کیتی گئی اُتے انہاں دے اُتے نہ گمراہاں دا" (مولوی عبدالتواب ملتانی)

"سب تعریف واسطے اللہ تعالیٰ دے ہے جو پالن والا ہے سارے جہان دا۔ وڈا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ مالک ہے ڈینہ جزا دا، صرف تیڈی عبادت کریندے ہیں اساں اتے صرف تیں کنوں مدد منگدے ہیں اساں۔ ڈکھا اساکوں رستہ سیدھا۔ رستہ انہاں لوکاں دا انعام کیتے ہیں تیں اُتے جنھاں دے نہ رستہ انہاں لوکاں دا غضب تھیا جنھاں تے اتے نہ گمراہاں دا۔" (محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ)

"سب تعریفاں اللہ دیاں ہن جیڑھا کل جہاناں دا پالن، ودھاون تے پھلاون پھلاون والا ہے۔ خاص رحمتاں والا عام رحمتاں والا کیتی لہن دے ڈینہ دا مختار کل۔ اساں سب صرف تیڈی عبادت کریندے ہن اتے ہک تیں کنوں مدد منگدے ہیں۔ ٹورا ساکوں سدھے ہموار رستے تے انہاں لوکاں دا رستہ جنہاں تے تیں نعمتاں نازل کیتن نہ انہا دا جیڑھے تھڑ کیے ہوئین۔" (ڈاکٹر مہر عبدالحق)

ان حوالوں سے ترجمے کے فرق کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا ترجمہ آسان، رواں، سادہ اور بامحاورہ ہے اور اس سے قرآن فہمی مقصود ہے۔

سرائیکی میں فقہی مسائل اور احادیث کے بھی ترجمے ہوئے۔ اس سلسلے میں پکی روٹی، تحفۂ زناں، خطبہ الجمعہ، رسالہ بے نمازاں، تنبیہ غافلاں، عیوب النفس اور نماز مترجم معروف ہیں۔ دلشاد کلانچوی نے "چالیھ حدیثاں" کے نام سے پہلی بار احادیث کا ترجمہ شائع کیا۔ شہادتِ امام حسین کے بعد مرثیہ گوئی کا چرچا ہوا۔ ملتانی ذاکرین ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پہنچے، خاص طور پر لکھنؤ ان کا مرکز رہا۔ منشی عبدالرحمٰن خان رقم طراز ہیں۔ "ملتان میں آلِ محمد کے تذکروں کا آغاز ۶۰ء سے ہوا، جب پہلے پہل اہلِ تشیع ملتان میں وارد ہوئے۔ ان کے بعد قرامطی آئے . . . ایران جب تاتاریوں کی گرفت میں آیا تو ملتان میں اتنے ایرانی دانشور، شرفا اور ساداتِ عظام پناہ گزین ہوئے کہ بقول علامہ تمکین کاظمی "ملتان ایران بن گیا"۔ ان نو واردوں میں ایک ملا علی نامی پُرجوش شیعہ مبلغ بھی تھا جس نے تبلیغ و تلقین سے ملتان کے دت برہمن مشرف بہ اسلام ہوئے اور حسینی مسلمان کہلانے لگے۔ ان تعلیم یافتہ برہمنوں نے واقعاتِ کربلا کو مہابھارت کی طرز پر منظوم صورت میں گا گا کر اہلِ ملتان کو عزائے حسین کا خوگر بنایا۔ . . . . ملتانی مرثیہ گو حضرات نے وطنیت کی تنگنائے سے نکل کر اسلام کی وادی کو سرسبز شاداب کیا اور انھوں نے اپنی شاعری کے ڈانڈے سرزمینِ حجاز سے ملائے . . . . . ملتانی شاعر فاتحِ خیبر، مجاہدینِ بدر و حنین اور شہدائے کربلا کے حضور میں عقیدت کے پھول پیش کرتے رہے، اس لیے ان کا مقام فردوسیٔ ایران سے بلند و بالا رہا اور انھوں نے مرثیہ گوئی کی صنعت کو صحیح رنگ دیا

جس سے اسلام اور شہیدانِ اسلام کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔[٢٦]

بہرحال مرثیہ وہ صنف ہے جسے ملتانی (سرائیکی) شاعروں نے بڑی وسعت دی۔ مرثیے کی ابتدا اور مرثیہ نگاروں کے بارے میں میرا مضمون سرائیکی شاعری میں مقامِ حسین مطبوعہ ماہِ نو جون ١٩٨٤ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ملتانی مرثیہ پر جم کر کام نہیں ہوا تاہم مراثی کے کچھ مجموعے مل جاتے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں بھی ملتان کے میاں سکندر اور میاں مسکین ملتانی نے مرثیے کی روایت قائم کی۔ سرائیکی شاعروں میں کیفی جام پوری نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، خاص طور پر میاں سکندر کے کچھ شعر درج کیے جاتے ہیں۔ مولانا غلام محمد محمودی تونسوی (متوفی ٣ جنوری ١٩٧٩) نے ایک بند میں مرثیہ نگار شعرا کا تذکرہ کیا ہے۔ دیکھیے:

ثنا خوانیاں کر کے رنگ رنگ دیاں مولا دے رنگ رنگ دے جگ تو ثنا خوان ٹر گئے
ہا سیدن، نذر، بھٹی، آغا، امیرن سڈا دا کراں دے جو سلطان ٹر گئے
سکندر ہا فیروز، فدوی یا مولائی، مولا دے بلبل خوش الحان ٹر گئے
فدا ہا یا تائب یا واصف یا آصف شہنشاہِ اقلیم و عرفان ٹر گئے
ٹریے شوق تے فوق دی دُر وسیندے بہارِ خیابان ملتان ٹر گئے
کراں بند قصہ طوالت دے ڈر توں کروڑاں ادیبانِ ذیشان ٹر گئے
ودا آکھسی ہک ڈیہاڑے زمانہ جو محمودیٔ آلِ عمران ٹر گئے

اس تناظر میں مرثیے میں سرائیکی کا ورثہ بے پناہ ہے اور اس میں جو درد اور سوز ہے وہ ہر انسان کو غمِ حسین میں آنسو بہانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

قدیم مرثیہ نگار غلام سکندر غلام نے مرثیے کو حقیقی سوز و گداز بخشا اور مرثیے کے فن کو نکھارا۔ ایک بند دیکھیے:

لکھ تیر آہا ہک دیر آہا دیچ بھیڑ آہا نوکاں دے آکھے ونجاں ہا ڈکھ ونڈاں ہا کوئی منجاں ہا ویچ فوج ماندے
جے پھراں ہا ایہا کراں ہا ونج مراں ہا ویچ قدماں دے ٹرلواں ہا ویچ روواں ہا توڑے ہووں ہا کول لکھیاں دے[٢٧]

---

[٢٦] آئینۂ ملتان از منشی عبدالرحمن خاں ص ٨٣ - ٣٨٢ -

[٢٧] سرائیکی مرثیہ گوئی کے پانچ سو سال از خلش پیراصحابی ص ۵ -

غلام حیدر فدا کا ایک بند ملاحظہ ہو :

درد اندا بھریا قصہ ہے زہرا دے لال دا   مظلوم کربلا دا شہ لاجپال دا
لکھیا ہے آتھیا جڈاں ویلا زوال دا   جڑ بن کے بیٹھا جان کے ویلا وصال دا

ساری مٹائی سبھناں عزیزاں دی سِک حسین
زخماں توں چُور چُور تے ہک نال ہک حسین [۲۸]

ان مرثیوں میں نظم کے ساتھ نثر بھی ہوتی تھی جو ذاکرین بیچ میں پڑھتے تھے۔ تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔

اولیا اور صوفیائے کرام اپنے وعظوں اور ملفوظات کے ذریعے اسلامی اخلاقی اقدار کا پرچار کرتے رہتے تھے اور تزکیۂ نفس و تطہیر قلب کی تلقین کرتے تھے اور یوں تصوف کا چرچا رہتا تھا۔ صوفی شعرا اپنے اپنے انداز میں عشق حقیقی کی تلاش و جستجو، عشق رسول اور راہِ سلوک کی منازل طے کرنے اور ایک میں ایک ہو جانے جیسے موضوعات کو اشعار کے قالب میں ڈھالتے رہے۔ سرائیکی میں بھی تصوف کی ایسی شاعری کا بڑا ورثہ موجود ہے۔ شاہ حسین، سلطان باہو، بلھے شاہ، سچل سرمست، حافظ جمال ملتانی، خواجہ فرید، علی حیدر، خیر شاہ اور بہت سے دوسرے صوفی شعرا کا کلام جہاں سوز و گداز سے معمور ہے وہاں اس میں حجازی لے بھی ہے جو دلوں کو سکون پہنچاتی ہے اور انسان کو صحیح اسلامی راہ کی طرف گامزن بھی کرتی ہے کہ اہل اللہ اور صوفیا کا یہی تو کام ہے۔ چند مثالیں دیکھیں :

مائے نی میں کیکوں آکھاں درد وچھوڑے دا حال
دھواں دُکھے میرے مرشد والا جاں پھولاں تاں لال
سُولاں مار دوانی کیتا برہوں پیا ساڈے خیال
دُکھاں دی روٹی سولاں دا سالن آہیں دا دھواں بال
کہے حسین فقیر نماناں شہ ملے تاں ہو واں نہال

(شاہ حسین)

---

[۲۸] دربار شہدا از غلام حیدر فدا ص ۱۷-۱۶۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مُشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہ بوٹی لائی ہو

(سلطان باہو)

عاشق پھردے چپ چپاتے جیسے مست سدا مدھ ماتے
دام زلف دے اندر پھاتے اوتھے چلے وس نہ زور

(بلھے شاہ)

ہک دم ہووِن نال اللہ دے بہتر کنوں بادشاہی
کیا جو ملک سلیمان ہویا جیں دے لکھ سپاہی
دیو پری سبھ حکم تہیں دے آہی توڑے ناہی
انہاں کنوں سوئی دم زیادہ ڈیوے سچل عشق گواہی

(سچل سرمست)

خ خوبی دے ڈوچار ڈیہاڑے کریں وڈائی کوڑی
دیکھ سیئاں نت کولھوں تیڈے ویندی خلق سموڑی
ٹرگیاں سے سے کیسر بھیناں منہ تے پائی دھوڑی
کل جمال تنڈاں وت پوسی نال عمل نہ موڑی

(حافظ جمال ملتانی)

ہادی مینوں سبق پڑھایا غیر نہ اتھے آیا جایا
مطلق نور جمال ڈکھایا مٹ گئے جھگڑے ہورنی
ملیا کعبہ قبلہ جانی رہیا نہ میرا نام نشانی
ہن میں ہویا لامکانی وحدت کیتا زور نی

(غلام حسن گانمن ملتانی)

سوہنے یار پنل دا ہر جا عین ظہور
اوّل آخر ظاہر باطن اُسدا جان ظہور

ہر ہر جا وچ رانجھن ماہی آیا نال صفات کماہی
سب سُر انہد مرالی واہی رمز حقائق چولے
وفی انفسکم بھیت بتاوے نحن اقرب بین بجاوے
لو دیتم گیت سناوے لفظ انا الحق بولے
جو کوئی دل ڈوں دھیان رکھیسی سارے گجھڑے رازنوں پیسی
اثنینت کل اُٹھ ویسی بجھ پوسن سبھ بھولے
فاش فریدے وعظ سناتوں عالم جاہل شاہ گدا کوں
جے کوئی چاہے فقر فناکوں اپنے آپ کوں گولے

سرائیکی ادب میں داستانیں بھی لکھی گئیں، کچھ تو اسلامی داستانیں ہیں مثلاً یوسف زلیخا اور کچھ ہندوستانی داستانیں مثلاً سیف الملوک، ہیر رانجھا، سسی پنوں وغیرہ۔ ان داستانوں کو اسلامی اثرات کی روشنی میں نظم کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کو کیوں نظم کیا گیا؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان داستانوں میں تلاشِ حق، عشق و محبت، مقصدیت کے لیے جان کی بازی لگا دینا ایسی اقدار ہیں جو اسلامی تعلیمات کا جزو ہیں، خاص طور پر اہلِ تصوف نے سنتی کے حوالے سے تلاش پیہم، عشق و محبت میں مصائب، جدوجہد اور تلاشِ حقیقت کے جذبے کو لیا ہے۔ یوسف زلیخا کا قصہ تو خیر قرآنی ہی ہے اور اسے مولوی عبدالحکیم اوچوی نے نظم کیا ہے۔ ایک بات یہاں قابلِ ذکر ہے کہ ان تمام عشقیہ داستانوں کا آغاز حمد، نعت، شانِ صحابہ وغیرہ سے ہوتا ہے۔ چند نمونے دیکھیں:

الٰہی معرفت انپڑی ڈکھائیں مینوں دیدارِ سبحانی کرائیں
اٹھائیں کر جو لاخوف علیہم ولاھم یحزنوں ہے جن کو لازم
توہیں ہر دو جہاں ضامن شرم دا وساؤ سرا ساڈے مینہ کرم دا

عمر ونجائیو وچ مسیتاں مستی دور نہ کیتو
حرص ہوس دا حفظ کتوئی معنی اصاف نہ کیتو
جو کجھ ڈٹھو ڈیکھ نہ جاتو دید شرم دی سیتو
خیر کیتو برباد حیاتی حاصل کجھ نہ کیتو

(خیر شاہ)

حضرت خواجہ فرید کی شاعری اس سلسلے میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کی کافیوں میں سوز و گداز، مٹھاس، شیرینی اور ترنم ہے وہ اور کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوا۔ خواجہ صاحب نے لحنِ داؤدی میں حسنِ حقیقی اور عشقِ حقیقی کی تلاش کا جو نغمہ تخلیق کیا ہے اور عقیدت و محبتِ رسول کی جو سرمدی لَے بکھیری ہے اس کی بنا پر وہ سب کے دلوں کی دھڑکن بن گئے ہیں۔ علائم و رموز کی روشنی میں انھوں نے جس طرح مسائل تصوف کو بیان کیا ہے اور جس طرح علاقائی علامات کے ذریعے اظہار کیا ہے اس میں ان کا ثانی نہیں۔

ریاض رحمانی نے صحیح کہا ہے :

میر سودا ذوق تے غالب دا میں منکر نہیں
کیا کراں جو دل ہے دیوانہ فریدن پیر دا

خواجہ فرید وحدت الوجودی صوفی تھے اور ان کی شاعری پر اس نظریے کے گہرے اثرات بھی ہیں، اس وجہ سے ان کے ہاں عشق کی دھونی رچی ہوئی ہے، نمونۂ کلام دیکھیں :

ہے عشق دا جلوہ ہر ہر جا سبحان اللہ سبحان اللہ
خود عاشق خود معشوق بنا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہکو الف ہم بس وے میاں جی ہور کہانی مول نہ بھانی

رانجھن میرا نور الٰہی مظہر ذات صفات کماہی
سر نولاک کلنگی پائی طٰہٰ چتر جھلایا ہے

شبِ معراج کی فضیلت بیان کرتے ہوئے عبدالحکیم کا رنگ دیکھیں :

چلو عبدالحکیماں تاں چلائیں صفت معراج دی ظاہر کرائیں
عجب ہک رات پُر برکات آہی جو عالم تے خوشی دی ڈات آہی
میں کیا اوں رات دا احوال آکھاں سراسر نور بلکہ فیض لاکھاں

(یوسف زلیخا از عبدالحکیم اوچوی)

مولوی احمد یار تونسوی کی یوسف زلیخا کا نمونہ دیکھیں :

گل گلزار نورانی حضرت شرف جیکوں تطہیرے
ملک معظم خادم درتے بیا غوث قطب کل پیرے
مجلس خاص خدا دی نال جبرائیل وزیرے
دو کونین بہشت جو سارے سرور دی جاگیر اے

مولوی لطف علی کی سیف الملوک (سیفل نامہ) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یوں تو یہ چھپ چکی ہے مگر یہاں اس کے قلمی نسخے سے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے :

آکھ ادا کر بندہ ہر دم حمد صفت سبحانی صدق سینے رکھ صاف سینہ کر یاد ذکر یزدانی
فذکرونی اذکرکم اے دل سمجھ رموز نہانی ہے ہر شے تے حاضر ناضر ہس حاضر ہر بانی
رکھے شہ شمار اندر کل قطرہ ریگستانی

یوں تو ہیر رانجھے کے کئی قصے منظوم کیے گئے مگر چراغ اعوان دی ہیر کو ان سب پر فضیلت حاصل ہے۔ چراغ اعوان (۱۶۷۹ء — ۱۷۳۲ء) نے اس قصے کو خالص اسلامی رنگ دیا ہے۔ آغاز کے اشعار ملاحظہ کیجیے :

اوّل آخر ظاہر باطن سچا پاک الٰہی ازل کنوں تا ابد ہمیشہ اوندی شاہنشاہی
کن فیکون الٰہ معظم قدرت رب ڈکھائی کُن کنوں سب کیتُس پیدا جو خواہش وچ آہی
بے تکیہ سکون ہوا تے چھت آسمان ٹکائی زمین مثل وچھانے دے رب قدرت نال وچھائی
گھاہ زمین تے جی جتاماں آکھن حمد خدائی پکھی پرندے تے بری بحری سب شے آپ اُپائی[۲۹]

---

[۲۹] چراغ اعوان دی ہیر مرتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی ص ۳۴۔

یوں دیکھا جائے تو کیا نظم کیا نثر ہر تحریر میں اسلامی تہذیب کے عناصر جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں۔ لمحۂ موجودہ میں بھی سرائیکی دانش ور نعتیں لکھتے ہیں اور حمدِ خداوندی کے گیت گاتے ہیں۔ چند شعرا کی نعتوں کے اشعار بطور مثال پیش ہیں :

اڈیس وی نگاہِ کرم بختیں والا　　بھگیندے نئیں ہن اے غم بختیں والا
جنہاں نال عرشیاں دی ونج سِک لہایو　　میڈے گھر دی او خوش قدم بختیں والا
تیڈے حسنِ احسن دی تمہید لکھدیں　　ہے حیران لوح و قلم بختیں والا

(نور محمد سائل)

تیڈے روضے پاک تے مدنی　　وسے مینہ رحمت دا ہر دم
رہے رات ڈیہاں ایہو عالم　　جیویں آندی اے پھل تے شبنم
توں رب دا پاک نبی ہیں　　محبوبِ خدا عربی ہئیں
توں گوہر مطلبی ہیں　　توں سیدِ ولدِ آدم
ہئیں شافع روز جزا دا　　بے واہی کوں دامن لاچا
میکوں کملی ہیٹھ لکا چا　　ایں چشم زلطف تو دارم

(صادق محمد خان عباسی امیر آف بہاول پور)

خالق مالک تے ستار　　او رحمٰن او بخشن ہار
کیڑھا صفتاں کرے شمار　　وڈی گل تے چھوٹا وات
رب سوہنے دی اُچی ذات　　اوں دے ناویں کُل صفات

سوہنے نبی دی شان خدا دا کمال ہے　　کیں کوں ہے دعویٰ نال واکیندی مجال ہے
عظمت تیڈی ہے ڈوہاں جہاناں دے واسطے　　اِتھے کوئی مثال نہ اُتھے مثال ہے

(محمد سلیم احسن)

زمین نے سو جھلا احسان اے حضور دا ہے　　تمام دہر تے سایہ انہاں دے نور دا ہے
منیر ارض و سماوات دے اے محسن ہن　　تمام دہر دا منشور گھن حضور آئے

(منیر فاطمی)

اس کے علاوہ ارشد ملتانی، ڈاکٹر مہر عبدالحق، حبیب فائق، ریاض رحمانی، رشید عثمانی، حیدر گردیزی، امید ملتانی، قیس فریدی، اقبال سوکڑی، سرور کربلائی، جانباز جتوئی اور بہت سے شعرا، حمد، نعت اور منقبت لکھ کر اپنا مذہبی فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ نعتیہ مشاعروں، مذہبی جلسوں اور دینی اجتماعات میں وہ اسلامی موضوعات پر نظمیں پڑھتے ہیں۔ ایم بی اشرف نے کونین دا سنہڑھپ کے نام سے ایک طویل نعتیہ نظم لکھی ہے جو ایک شاہ کار ہے اور اس کا حوالہ یہاں ناگزیر ہے۔ اس کے کچھ اشعار درج کیے جاتے ہیں جو شاعر کی عقیدت و محبت کا بھرپور اظہار بھی ہیں اور شاعرانہ فن کاری اور صناعی کا روشن ثبوت بھی۔

آیاں استقبال دے کیتے حوراں لکھ ہزاراں
کُل انبیاء تے مَلک فلک توں لتھے بنھ قطاراں
خوش تھی مَدنی دے جمنے تے حُوراں گانون واراں
ڈیون کا نن مبارک بادی آیاں مارا ڈاراں
جھُومیاں عرش معلّٰی سُن تے خوشیاں دیاں چھکاراں
کُل کینات کوں ازلاں تُوں ہن جنیدیاں واٹ نہاراں
او آیا تاں اُجڑی دھرتی، تھی گئی گُل گلزاراں

پاک محمدؐ دے جمنے عرشاں تے دھوم مچائی
جنت دے ہرون دے پتّے پتّے رِم جھم لائی
طُوبیٰ حجبّ تے سدرہ اِنبڑیں وکھری لوڑ بنڑائی
کُل حُوراں دی پیشانی وِچ چمک ایں نور ڈکھائی
جنّت دے ہر محل تے غرفے وِچ تھی گئی روشنائی
ہک بئے کوں پے ڈیون عرشی بھج بھج خیر ودھائی
عرشاں دے کُل چپّے چپّے تے خود ذاتِ الٰہی
الرّحمٰن دیاں جھنڈیاں تے یٰسین دیاں لڑیاں لاتے

الحجرات، حجر الشوریٰ قٓ تے نٓ تھاٹے
الکوثر والناس فلق اخلاص دے پھل چنواتے
التکویر مدثر ملک نیاں سبھ کلیاں سجواتے
الھمزہ، تحریم، تغابُن دے سہرے نبڑواتے
الاحقاف فتح تے زخرف دے موتی ٹکواتے
الطارق الشمس نجم الطور دے ہار پواتے
الفرقان مزمل تے واللیل دے جلوے پاتے
ال عمران حدید بروج دیاں فل لاٹاں فرماتے
الانعام نساء الشعرا تے النور سجاتے
الانفال بقرہ الرعد تے الانبیاء نکھراتے
سورت ابراھیم سبا لقمان دے سوجھل پاتے
الاعلےٰ البلد فجر طٰہٰ دے ٹکے لاتے
سورت یوسف ھود تے یونس تے مریم سنوارتے
کُل دے کُل قرآن کوں زینت عرش بریں بناتے
نال نورانی جلوے دے کل عرش بریں سجایا
شہ لولاک دے جمنے دا خود خالق جشن منایا
ذات دی سک نہ تھی رب دی آکھیس کول سڈاواں
ہک واری محبوب دا اول عرشاں تے جشن مناواں
میں دلدار دی شان اقدس دے آپ قصیدے گاواں
کُل حُوراں توں سوہنے مدنی دیاں نعتاں پڑھواواں
اَو ادنیٰ قوسین تدلا سدرہ خوب سجاواں

سرائیکی کی دو قدیم تحریروں کے حوالے سے قصیدہ بردہ کے سرائیکی ترجمے کا ذکر گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے بھی قصیدہ بردہ شریف کا فارسی، اُردو اور سرائیکی

میں منظوم ترجمہ کیا ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ چند اشعار دیکھیے :

ناں کریں انکار توں حضرت دی وحی خواب دا
رکھیں بھانویں سم ونجن ہا دل ہا رہندا جاگدا
وصف آکھڑ ڈے میکوں آیات دے چمکار دا
روہ تے جیویں رات کوں بلدی ئے مہمانی دی بھاہ
مٹی بھر یے ہتھ ولیندی نہیں سخاوت آپ دی
کیوں جو مینہ بٹیاں تے وی ڈیندے پھلاں کو زندگی

سیرۃ نبوی کے موضوع پر بھی سرائیکی نثر میں ڈاکٹر مہر عبدالحق ہی کی کتاب "کونین دا والی" کو اوّلیت حاصل ہے، جس میں انھوں نے سیدھے سادے انداز میں اسوۂ حسنہ کی جھلکیاں دکھائی ہیں۔ کتاب کا اسلوب ادبی چاشنی رکھتا ہے اور رسالت مآب پر کیے گئے غیر مسلموں کے اعتراضات کو مدلل حوالوں سے رد بھی کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ ڈاکٹر صاحب کا قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ دلشاد کلانچوی نے بھی سیرت کے سلسلے میں تین کتابچے تحریر کیے ہیں۔ پہلا "جڈاں رسولِ کریم بال ہن"، دوسرا "جڈاں رسول کریم نیتگر ہن اور تیسرا "جڈاں رسول کریم کوں نبوت ملی" یہ تینوں کتابچے سیرت سرورِ کونینؐ کے سلسلے کی کامیاب کوششیں ہیں۔

حج کے سفرنامے کے سلسلے میں ابھی تک سرائیکی ادب کا دامن خالی تھا مگر حال ہی میں حبیب فائق کے کتب خانے میں قاضی محمد عارف کا لکھا ہوا حج کا سفر نامہ کوہِ غم ملا ہے جسے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے سرائیکی کا پہلا منظوم سفرنامہ حج قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا ایک مضمون ان کی تازہ کتاب "سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں" میں شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں "قاضی محمد عارف دا سرائیکی سفرنامہ حج سرائیکی زبان دا پہلا سفرنامہ ہے تاہم ایندی ابتدا اوں زمانے دے دستور دے مطابق حمد نعت اتے مناقب بزرگاں نال کیتی گئی اے۔ تاہم حمد اتے نعت دے چار چار شعر ہیں۔

(حمد) وحدہٗ لا شریک خداوند ہور شریک نہ کوئی
کن فیکون کنوں سبھ پیدا زمین آسمان کتوئی

فرش زمین دا پانڑیں اُتے قدرت نال وچھوئی
جنبش گولوں میخ پہاڑاں محکم خوب ٹھکوئی
(نعت) جلدی پھیر عنان قلم ہُن نعت رسول لکھیوے
طٰہٰ یٰسین مزمل کوں و نج شان رسول پڑھیوے
شافع اُمت سرورِ عالم برسر چشم منیو ے
رکھ شفاعت دی تا حشر رہائی تھیو ے
دم دم شوق رسول دا سنیے ہر دم یاد کریوے
منیم یارنبی دے برحق دین نبی دے ڈیوے
غالب شوق عرب دا دل وچ کیا کیا کھول اکھیوے[۳۰]

قاضی محمد عارف سفر پر روانہ ہوتے وقت لکھتے ہیں۔

طرف مدینے تھیئم روانہ ہو یا لطف خدایا
نہیں کُجھ خوف سفر دا ہرگز نامِ خدا سر جایا
تھیسی فضل الٰہی شامل ہوسی پندھ سجایا
طالب ہاں دیدار نبی دا ہر دم شوق سوایا[۳۱]

مدینہ پہنچنے کے بعد قاضی محمد عارف اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

روضہ پاک رسول معظم نور نظر سبھ آوے
گنبد سبز مزار اوپر کیا سبزی عجب سہاوے
ہر دم برسے نور الٰہی سبھ معمور ڈکھاوے
وچ حرمین ہے نور معلّٰی فرحت در دل آوے
سبز غلاف ہے روضے تے نت نور خدا برساوے

---

[۳۰] سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۸۹-۳۸۸۔
[۳۱] ایضاً، ص ۳۹۹۔

آخر میں اظہار دیکھیے :

حاصل تھیئے مقصود تمامی ہر دم شکر گزاراں
لیکن شہر مدینہ نوری دلوں نہ مول وساراں
پاک نبی دے روضے دی جاں دل تصویر چتاراں
سینے نظرے روضہ نوری نال ڈسن میناراں ۳۲ھ

سرائیکی ادب کا معتدبہ حصہ ابھی تک چھپ کر سامنے نہیں آیا، قلمی صورت میں موجود ہے اور اسے تلاش کرنا ضروری ہے۔ اب تک جو کچھ قلمی شکل میں یا چھپ کر سامنے آیا ہے اس کی روشنی میں سرائیکی ادب پر اسلامی تہذیب کے عناصر دیکھے جا سکتے ہیں۔

(۷)

لمحۂ موجود کا سرائیکی ادیب آج بھی ایسا ادب تخلیق کر رہا ہے جو اسلامی ادب، قومی ادب یا پاکستانی ادب کہلایا جا سکتا ہے۔ خطۂ ملتان میں کہ جو اولیا اور اللہ کے برگزیدہ لوگوں اور ہستیوں کی سرزمین ہے، اب بھی ایسی بزرگ ہستیاں موجود ہیں جن کے فیض کے چشمے جاری ہیں۔ ملتان جسے پیروں فقیروں کا شہر کہا جاتا ہے وہاں مساجد بھی ہیں اور اسلامی درس گاہیں بھی۔ کتب خانے بھی ہیں اور لائبریریاں بھی۔ خطۂ اوچ اپنی علمی ادبی مرکزیت اور روحانی فیوض و برکات کی حیثیت سے اب بھی اہم ہے۔ بہاول پور اسلامی تشخّص کا شہر ہے اور ان سب علاقوں کے بسنے والے اور سرائیکی وسیب کے تمام وسنیک اسلام سے گہری محبت، دین سے عقیدت اور اسلامی اصولوں سے پیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سے نظامِ مصطفےٰ کی ہر تحریک کا بھرپور ساتھ دیا جاتا ہے۔ اور اس خطے میں تخلیق کیا جانے والا ادب اسلامی قدروں اور قومی امنگوں کا آئینہ دار ہوتا ہے اور یہاں کے لوگ تلاشِ حق کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور یہی رویے اور رجحانات ان کی تخلیقات میں بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں مگر پھر بھی ابھی تک ضرورت

۳۲ھ سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص ۲۰۶ - ۲۰۵۔

اس بات کی ہے کہ سرائیکی ادیب خالصتاً اسلامی ادب تخلیق کریں اور ان کی سوچ خالص اسلامی ہو تاکہ دنیا بھی سدھر جائے اور عقبیٰ بھی سنور جائے اور ان کے دل خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے دھڑکنے لگیں۔

خواجہ فرید نے درست فرمایا ہے:

اتھاں میں مٹھری نت جان بلب — اوتاں خوش وسدا وچ ملک عرب
تتی تھی جوگن چودھار پھراں — ہند سندھ پنجاب تے ماڑ پھراں
سنج برتے شہر بزار پھراں — متاں یار ملیم کہیں سانگ سبب

کتابیات

عرب و ہند کے تعلقات	سید سلیمان ندوی	کریم سنز پبلشرز، کراچی۔
نقوشِ سلیمانی	سید سلیمان ندوی	اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔
آبِ کوثر	شیخ محمد اکرام	ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور۔
موجِ کوثر	شیخ محمد اکرام	ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور۔
تاریخِ سندھ	ابوظفر ندوی	دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔
تاریخِ سندھ حصہ اوّل	اعجاز الحق قدوسی	مرکزی اردو بورڈ، لاہور۔
آئینۂ ملتان	منشی عبدالرحمٰن خاں	مکتبہ اشرف المعارف، ملتان۔
ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق	ڈاکٹر مہر عبدالحق	اردو اکادمی، بہاول پور۔
نورِ جمال	ڈاکٹر مہر عبدالحق	سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان۔
سرائیکی زبان دے قاعدے قانون	ڈاکٹر مہر عبدالحق	سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان۔
سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں	ڈاکٹر مہر عبدالحق	سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان۔
سرائیکی شاعری	کیفی جام پوری	بزمِ ثقافت، ملتان۔
کلامِ فرید	کیفی جام پوری	بزمِ ثقافت، ملتان۔
ابیاتِ باہو	سلطان الطاف علی	انجمن غوثیہ کریم پارک، لاہور۔
کلام بھلے شاہ	ڈاکٹر نذیر احمد	پیکجز لمیٹڈ، لاہور۔

سرائیکی کتابیں	سیٹھ عبید الرحمٰن	سرائیکی ادبی مجلس، لاہور۔
سرائیکی اور اس کی نثر	دلشاد کلانچوی	سرائیکی ادبی مجلس، لاہور۔
سندھ میں اردو	ڈاکٹر شاہدہ بیگم	اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی۔
ملتان میں اردو شاعری	ڈاکٹر طاہر تونسوی	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔
خیر شاہ دا کلام	ڈاکٹر طاہر تونسوی	بزم ثقافت، ملتان۔
چراغ اعوان دی ہیر	ڈاکٹر طاہر تونسوی	سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان۔
نور نامہ، معراج نامہ	———	سرائیکی ادبی مجلس، بہاول پور۔
سرائیکی مرثیہ گوئی کے پانچ سو سال	غلش پیر اصحابی	بزم انیس پیر اصحاب (بھکر)۔

ماہِ نو جون ۱۹۸۴

سرائیکی ادب ملتان اگست ۱۹۸۲۔

تاریخِ مشائخ چشت	خلیق احمد نظامی	دار المؤلفین، اسلام آباد۔